www.rahimia.org

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ
رحیمیہ
لاہور

فروری 2026ء / شعبان المعظم ۱۴۴۷ھ

جلد نمبر 18، شمارہ نمبر 2 قیمت: 40 روپے ● سالانہ ممبرشپ: 450 روپے

بانی

حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری

قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ السَّعِید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ

حضرت اقدس مولانا مفتی **عبدالخالق آزاد** رائے پوری

جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن (سرپرست)

مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (صدر)

مولانا مفتی محمد مختار حسن (صدر انتظامیہ)

انیس احمد سجاد ایڈووکیٹ (مدیر)

ترتیبِ مضامین

- انسانی بھلائی اور خیر کے کاموں کے لیے کعبۃ اللہ کی مرکزیت
- روزے کا مقصد
- حضرت قتادہ بن نعمان بدری انصاری رضی اللہ عنہٗ
- موجودہ عالمی بساط پر اتھل پتھل اور اُمتِ مسلمہ کے لیے لمحۂ فکریہ
- ''قلب'' سے متعلق ''مقامات'' (3)
- سلطان محمد فاتح کی قسطنطنیہ پر حملے کی تیاری (2)
- تحفظِ لوٹ قانون سازی
- شریعت کے پانچ احکامات؛ ولی اللّٰہی حکمت کے تناظر میں
- روزے کا مفہوم اور حکمتِ ربانی پر مبنی معتدل طریقہ
- روزے کا مقصد؛ تقویٰ اور اس کا جامع مفہوم
- حالتِ صوم میں چار کاموں کی فضیلت
- حضرت مولانا محمد عباس شادؒ [ایک رفیق، ایک مزاج، ایک خاموش چراغ]
- قیامِ رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ/ 2026ء
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

''بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ ان کو چار ماہ میں سلوک (روحانی تربیت کا راستہ) طے ہوگیا۔ جب (ان سے یہ) دریافت کیا گیا کہ (انھیں اس پر) استقامت کتنے عرصے میں (حاصل) ہوئی تو (انھوں نے) فرمایا: پچیس سال میں (اس راہ میں ثابت قدمی حاصل ہوئی)۔ تو اب دیکھو! جو سریع السّیر (تیزی سے سلوک طے کرنے والے) تو اتنے (یعنی اس قدر تھے) کہ چار ماہ میں سلوک طے ہوگیا اور (اس پر) استقامت۔۔ جو اصل شئے ہے۔۔ پچیس سال میں (جا کر) حاصل ہوئی۔ تو اس راستے میں کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ (جلد حاصل ہونے والے عمدہ) حالات کوئی (مستقل اور دیرپا) مقام ہے، (بلکہ) وہ تو مشکل (یعنی مسلسل جدوجہد) سے حاصل ہوتا ہے''۔

(۸/محرم الحرام ۱۳۶۶ھ/ 3/دسمبر 1946ء، بروز: منگل۔ مقام: لاہور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 238-237، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

www.rahimia.org

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

انسانی بھلائی اور خیر کے کاموں کے لیے کعبۃُ اللہ کی مرکزیت

سورت البقرہ کی گزشتہ 147 آیات میں ہدایت کی اس کتاب کی اَساس پر انسانی معاشروں کی تشکیل اور آدم کی خلافتِ ارضی سے متعلق اُمور واضح کرتے ہوئے بنی اسرائیل پر کی جانے والی خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور اُن کی طرف سے احکاماتِ الٰہیہ سے روگردانی کی تفصیلات بیان کی گئی تھیں۔ اور یہ واضح کیا گیا تھا کہ اس دور میں نوعِ انسانیت کی کرۂ ارض پر خلافت کی بنیادی اَساس، امامِ انسانیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات ہیں۔ اس لیے ملتِ ابراهیمیه حنیفیه سے انحراف کسی صورت میں درست نہیں ہے۔ اس ملت کا بنیادی مرکز بیت اللہ الحرام ہے۔ نیز بیت المقدس سے مسجدِ حرام کی طرف قبلہ کی تبدیلی پر حماقت پر مبنی تمام شکوک وشبہات درست نہیں ہیں۔ چناں چہ قبلہ کی تبدیلی سے متعلق اُمور کی توضیح کی گئی اور متعین طور پر حکم دیا گیا کہ اب آئندہ سے مسجد حرام کی طرف رُخ کر کے تمام عبادات وطاعات سرانجام دی جائیں۔ ملتِ ابراهیمیه کی اَساس پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہدایات پر مبنی راستہ اختیار کرنا، اس دور میں انسانیت کی لازمی ضرورت اور تقاضا ہے۔

اس سورت کی باقی آیات 148 تا آخر میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ بیت اللہ الحرام وہ بنیادی مرکز ہے، جو دینِ محمدیؐ کی ''خیرات'' پر مبنی تمام تعلیمات کی اساس ہے۔ قرآن حکیم کی تفصیلی ہدایات پر مشتمل ''علمِ فعل الخیرات'' کو سیکھنے سکھانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا، اس علم کے شعبہ جات؛ تزکیۂ نفوس وتہذیبِ اَخلاق، تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت و سیاست کے ذریعے سے دینی فہم وشعور حاصل کرنے میں سبقت لے جانا ضروری ہے۔ اور پھر ان شعبہ جات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ''الخیر'' پر مبنی اذکار واعمال کی عملی نوعیت واضح کی گئی ہے۔ اس علم کو سمجھنا اور اُس کے مطابق عمل کر کے اپنے آپ کو، انسانی معاشرے اور اس کی قومی اور بین الاقوامی اجتماعیت کو مہذب بنانا ضروری ہے۔

درجِ ذیل آیاتِ مبارکہ (2-البقرہ: 148 تا 150) میں یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ اصل بات ابراہیمی تعلیمات کے مطابق طے کردہ نیکیوں پر مبنی ''فعل الخیرات'' (انسانی بھلائی کے کاموں) کو اختیار کرنا ہے۔ اسی میں سبقت لے جانا ضروری ہے۔ قبلہ کی تبدیلی کا یہ مسئلہ اُصولِ حنیفیت کے ذیلی مسائل میں سے ہے۔

وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (اور ہر کسی کے واسطے ایک جانب ہے -یعنی: قبلہ- کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف، سو تم سبقت کرو نیکیوں میں): اس آیتِ مبارکہ کے مفہومِ کلی میں ایک بنیادی اَساسی اُصول واضح کیا جا رہا ہے کہ ہر ایک فرد، قوم، قبیلہ اور اُمت اپنے اپنے محلِ وقوع، ساخت اور ضرورت کے اعتبار سے اپنی ''وِجهتِ نظر'' (اپنے نظامِ فکر وعمل کی ایک جہت اور زاویۂ فکر) رکھتے ہیں، تا کہ اُن کی اجتماعیت کے اُمور ایک جگہ مربوط ہو جائیں۔ اس لیے کہ ہر ایک اجتماعیت کے لیے ایک مرکز اور قبلہ کی ضرورت ہوتی ہے، تا کہ وہ اپنی توجہات کو اُس طرف مبذول کر کے اپنے تمام تر اقوال واعمال کو ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مربوط بنا سکے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انسانیت کے لیے اجتماعیت کا جو ترقی یافتہ نظام متعارف کرایا، اس کے لیے کل انسانیت کا مرکز اور قبلہ، توحیدِ الٰہی کی اَساس پر ''بیت اللہ الحرام'' قرار دیا۔ وہ مرکز، جس کی طرف اپنی توجہاتِ فکر وعمل کو متوجہ کر کے ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ درست طور پر قلبی، عقلی اور نفسی تعلق قائم کیا جا سکے۔ اس طرح ''خیرات'' پر مبنی ایسے اقوال وافعال- جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق قائم ہو- کیے جائیں۔ اس کے نتیجے میں انسانی معاشروں کو اجتماعی طور پر پُرامن اور خوش حال بنانے کے لیے خلافت کی ذمہ داریوں کی اہلیت پیدا ہو جائے۔ اس کے لیے ایک ایسا قبلہ اور مرکز ہونا ضروری ہے، جو تمام انسانوں کے لیے یکساں طور پر مفیدِ امن اور قابلِ ترقی ہو۔ اس معیار پر ''بیت اللہ الحرام'' کا قبلہ ہی انسانیت کا مرکزِ فکر وعمل قرار پاتا ہے۔

ایک زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد بنی اسرائیل کی اجتماعیت اور اُن کی خلافت کے لیے ''بیت المقدس'' قبلہ رہا۔ وہی اُن کی توجہاتِ فکر وعمل کا مرکز تھا، اس لیے کہ وہ جس خطۂ فلسطین میں بستے تھے، وہی ان کی تمام تر علمی اور عملی سرگرمیوں کو مربوط کرنے کا قبلہ رہا۔ اسی طرح دنیا کی باقی اقوام میں جہاں جہاں ''مُنذِرِین''؛ انبیاؑ ورُسل یا حکمائے ربانیین گزشتہ زمانے میں تشریف لائے تو اُن اقوام کا قبلہ اپنے خطے کی قومی خصوصیات اور ضروریات کے مطابق رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے کے تمام انبیاؑ اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ''اور تمام انبیا اپنی اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوتے تھے، جب کہ مَیں تمام انسانوں کے لیے عام طور پر نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ (صحیح بخاری: 335) چناں چہ ہر قوم کے نبی کی جہتِ قبلہ اپنی قومی خصوصیات کے ساتھ متعین کی جاتی رہی، جب کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کل انسانیت کے لیے ہوئی۔

اصل بات یہ ہے کہ ملتِ ابراهیمیه کی اَساس پر متعین ''خیرات'' اور نیکی کے پہلوؤں میں سبقت لے جانا ضروری ہے۔ مسابقت کے لیے لازمی ہے کہ جو قبلہ کُل انسانیت کے لیے متعین کیا گیا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے اور خیر اور نیکی کے کاموں کا فروغ ہوتا ہے۔ ان کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اور باہمی مسابقت کی جانی چاہیے، نہ کہ گزشتہ دور کے متعین کی گئی جہتِ قبلہ پر ضد کی جائے۔

''علمِ فعل الخیرات'' قرآن کے علوم میں سے ایک اہم علم ہے۔ کئی قرآنی آیات میں ''الخَیرات'' کا ذکر ہے۔ ''خیرات'': ''خَیرۃٌ'' کی جمع ہے۔ لغت میں اس کا معنی ہے: ''وهی الفاضلة من كل شیء'' (ہر چیز میں جو اچھی اور عمدہ چیز کو کہتے ہیں)۔ اس سے مراد ''طاعات اور اعمالِ صالحہ'' ہیں۔ ''خَیرَاتُ الأَرضِ'': زمین میں موجود وسائل، منافع اور نعمتوں کو کہا جاتا ہے۔ (مختار الصحاح) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس سلسلے کے انبیاؑ کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ'' (ہم نے اُن پر نیکی کے کاموں کی وحی کی)۔ (21-الانبیاء: 73) نیز ارشادِ نبویؐ ہے: ''اللّٰهُمَّ ! إِنِّی أَسْأَلُکَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ'' (اے اللہ! مَیں تجھ سے خیر کے کام کرنے کا سوال کرتا ہوں)۔ (ترمذی: 3235) قرآن حکیم میں ہے: ''مَنْ يُّؤْتَ

www.rahimia.org

اَلۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا كَثِیۡرًا ؕ‘‘ (جسے حکمت عطا کی گئی، اُسے خیرِ کثیر عطا کردیا گیا)۔ (2-البقرہ:269)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ: اس دور کے احوال اور تقاضوں کے مطابق قرآنی علوم میں ایک اہم علم ’’علمِ فعل الخیرات‘‘ ہے۔ (تفہیماتِ الٰہیہ، ج:2، تفہیم: 198) اس کی تشریح کرتے ہوئے ایک جگہ فرمایا: ’’فرشتوں کی طرف سے ’’خیرات‘‘ پر مبنی ایک مرتب نظامِ ہدایت نازل ہوا ہے‘‘۔ (ایضاً، تفہیم: 166) اس علم کی تعریف کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ’’اللہ تعالیٰ کے اَسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم ’’ھادی‘‘ ہے، جو حق کے مشابہ ہے۔ پس جب ہدایتِ الٰہی‘ انسانی نسمے میں داخل ہوجائے (اور وہ اس کے مطابق انسان نیکی کے کام کرے) تو یہی ’’فعل الخیرات‘‘ ہے۔ (ایضاً، تفہیم:199) گویا جب ہدایتِ الٰہی کی اَساس پر ’’خیر‘‘ پر مبنی لسانی، قلبی، عقلی اور جسمانی افعال کرتا ہے تو یہ انسانی نسمے میں داخل ہوکر انسانی بھلائی کے کام آتے ہیں۔

اَیۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا یَاۡتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیۡعًا ؕ (جہاں کہیں تم ہوگے، کرلائے گا تم کو اللہ اکٹھا): گزشتہ تمام قوموں کے لیے متعین کردہ جہتِ قبلہ اور مراکز کی طرف رُخ کرکے جن لوگوں نے اللہ کے لیے خیر کے افعال کیے ہیں، اور جو لوگ آج بیت اللہ الحرام کی مختلف جہات؛ مشرق، مغرب، شمال، جنوب میں خیر پر مبنی افعال کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُن تمام کو دنیا اور آخرت میں ہدایت کے اجتماعی نظام پر جمع کردے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (بے شک اللہ ہر چیز کرسکتا ہے): جب خیر پر مبنی اپنے اقوال و اعمال خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے مختلف جہات میں کیے ہوئے تمام اعمال و افعال کو دنیا اور آخرت کی حسنہ بنادے گا۔

وَ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ (اور جس جگہ سے تُو نکلے‘ سو منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف): مسجدِ حرام کی طرف رُخ کرنا‘ علم فعل الخیرات کی بنیادی اَساس ہے۔ ’’مِن حیث‘‘ سے شروع ہونے والی تینوں آیات میں قبلہ رُخ کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ’’اوّل آیت میں ’’تعمیمِ اَحوال‘‘ اور دوسری آیت میں ’’تعمیمِ اَمکِنَہ‘‘ اور تیسری میں ’’تعمیمِ اَزمِنَہ‘‘ مراد ہے‘‘۔ انسان کے تمام اعمال و افعال کا تعلق اُس کی ’’حالت‘‘ اور ’’مکان‘‘ و ’’زمان‘‘ ہوتا ہے۔ اس لیے اس پہلی آیت میں حکم ہے کہ آپ جس ’’حالت‘‘ میں بھی ہوں، مسجد حرام کی طرف رُخ کریں۔ اس لیے طاعات و عبادات اور انسانی بھلائی کے کاموں کی تمام حالتوں میں کعبۃ اللہ کی مرکزیت کو پیشِ نظر رکھیں۔

وَ اِنَّهٗ لَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ (اور بے شک یہی حق ہے تیرے ربّ کی طرف سے): انسانیت کے پروردگار کی طرف سے اس دور کا حق ’’کعبۃُ اللّٰہ‘‘ کی مرکزیت کے ساتھ وابستہ ہے۔ انسانی ہمتیں جب عشق و محبت کے ساتھ اس کی طرف یکسو ہوجاتی ہیں تو اللہ کی طرف سے اُن کی علمی اور عملی قوتوں کی پرورش کی جاتی ہے۔ اُن کے نفس، قلب اور عقل میں علمی ترقی اور عملی ارتقا پیدا ہوتا ہے اور حقائقِ الٰہیہ کا فہم و شعور پیدا ہوتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے انسانی زندگی کے تمام تعلیمی اور تربیتی اُمور اُس تجلیٔ الٰہی سے وابستہ ہوگئے، جس کا اس دنیا میں ایک اظہار شعائر اللہ کے طور پر ’’کعبۃ اللہ‘‘ کے وجود کی صورت میں ہوا۔ جس جگہ اس تجلیٔ الٰہی کا نزول ہوا، اُسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی تھی۔ شرائع الٰہیہ کا نزول بھی اسی کے ساتھ مربوط کردیا گیا۔ (تفہیماتِ الٰہیہ، ج:1، ص:27) اس لیے کل انسانیت کے لیے جو نظامِ ہدایت‘ دینِ محمدیؐ کی صورت میں وضع کیا گیا، وہ تبھی انسانی زندگی کے اقترابی اور ارتفاقی‘ تمام شعبہ جات پر مکمل نتائج پیدا کرے گا، جب مسجدِ حرام سے وابستہ تجلیٔ ہدایت کی طرف اپنی تمام تر جہات کو مرکوز کیا جائے۔

وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ (اور اللہ بے خبر نہیں تمھارے کاموں سے): انسانی زندگی میں خیر کے اعمال میں مسابقت کی نوعیت اور واقعیت سے اللہ تعالیٰ کسی طور غافل نہیں ہے۔ وہ ان تمام ذہنی کیفیات، قلبی ارادات اور جسمانی حالات سے خوب واقف ہے۔ اس کے مطابق ہی خیر پر مبنی اعمال کے حقیقی نتائج ظاہر ہوں گے۔

وَ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ (اور جہاں سے تُو نکلے‘ سو منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف): انسان کسی نہ کسی مکان (Space) میں قیام پذیر ہوتا ہے۔ اس آیت میں حکم ہے کہ آپ جس بھی جگہ، مکان اور مقام اور دنیا کے دور دراز کسی بھی علاقے میں ہوں، آپ کو مسجدِ حرام کی طرف ہی رُخ کرنا ہے۔

وَحَیۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ۙ (اور جس جگہ تم ہوا کرو‘ منہ کرو اسی کی طرف): دنیا بھر کے مسلمان مختلف زمانوں میں یکے بعد دیگر آئیں گے تو ان تمام کو حکم ہے کہ آپ جس بھی زمانے (Time Period) میں ہیں، مسجدِ حرام کی طرف رُخ کرکے اپنی تمام عبادات کو ان تجلیاتِ ہدایت کے ساتھ مربوط کریں۔

لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَیۡكُمۡ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ ۗ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَ اخۡشَوۡنِیۡ ۗ (تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع مگر جو اِن میں بے انصاف ہیں‘ سو اِن سے۔ یعنی ان کے اعتراضوں سے۔ نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو): قبلے کا یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ تم پر لوگوں کی طرف سے ابراہیمی اُصول کی خلاف ورزی کی حجت قائم نہ ہو، باقی ظالموں کی پرواہ مت کرو۔ ان سے مت ڈرو اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کا ڈر اپنے اندر پیدا کرو۔

وَ لِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡكُمۡ وَ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ (اور اس واسطے کہ کامل کروں تم پر فضل اپنا، تاکہ تم پاؤ راہ سیدھی): اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر فعل الخیرات کا عمل کرنے کی صورت میں قومی اور بین الاقوامی حکومت پر مبنی اپنی نعمتِ خلافت کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: غزوۂ تبوک کے بعد حضور اقدس ﷺ کو تمام علمی اور عملی کمالات پر مبنی خلافتِ کبریٰ عطا کی گئی۔ جس کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے: ’’آج نا اُمید ہوگئے کافر تمھارے دین سے، سو اِن سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں پورا کرچکا تمھارے لیے تمھارا دین اور پوری کی تم پر مَیں نے اپنی نعمت‘‘۔ (5-المائدہ:3) (الخیر الکثیر، خزانہ سادسہ) اور مسجدِ حرام کو قبلہ اس لیے بھی قرار دیا گیا کہ تم اس نعمتِ خلافت کی تکمیل کے لیے کعبہ کی تجلی سے ہدایت حاصل کرسکو۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

روزے کا مقصد

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ ـ رَضِیَ اللّٰهُ عَنه ـ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :
’’مَن لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ أن یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ.‘‘ (الصحیح البخاری، حدیث: 1903)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
’’جو شخص جھوٹ بولنا اور اُس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس بات کی کچھ ضرورت نہیں کہ روزے کا نام کر کے وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے‘‘۔)

رمضان المبارک تزکیۂ نفس کا مہینہ ہے۔ گناہوں کے جو اَثراتِ بد انسانی قلب کو گرد آلود کر دیتے ہیں، یہ مہینہ اس کی صفائی کا ذریعہ بنتا ہے۔ روزے کے دیگر فضائل و برکات اس کے علاوہ ہیں۔ جب کہ تلاوتِ قرآن اور قیام اللیل (رات کو نمازِ تراویح پڑھنے) جیسے اعمال انسانی روح کی بالیدگی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ہر عمل کے نتائج دینے کی کچھ شرائط ہوتی ہیں۔ اسی طرح روزہ ہے۔ زیرِنظر حدیث میں رسول اللہ ﷺ روزے کے نتائج کی شرائط بیان کر رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر روزہ دار جھوٹ بولتا ہے اور عملی زندگی اس جھوٹ کے مطابق ڈھال رکھی ہے۔ وہ عمل اس کی اِنفرادی زندگی سے متعلق ہو یا اجتماعی نظام کے جھوٹ سے فکری و عملی ہم آہنگی قائم کر رکھی ہو، تو وہ شخص بھوک پیاس ہی برداشت کر رہا ہے۔ اس کے روزے کا کوئی روحانی فائدہ نہیں ہے۔ روزہ تو تزکیۂ نفس اور طہارت کے لیے ہے۔ طہارت کی پہلی شرط صِدق (سچائی) ہے، ایمان بھی صِدق کا نام ہے۔ ایمان کا اِظہار کر کے انسان ایک سچی بات کا اعتراف کرتا ہے اور اللہ کے علاوہ کو وہ جھوٹ مان کر مسترد کر دیتا ہے تو ایمانی زندگی کا آغاز اسی صدق سے ہوتا ہے تو عمل کے نتائج کا لازمی تقاضا بھی اس صفت کے ساتھ وابستہ ہوگا۔ اگر آدمی یہ صفت اختیار نہیں کرتا، جھوٹ پر قائم رہتا ہے تو پھر روزہ سودمند نہیں رہتا۔

جھوٹ کے دو دائرے ہیں: ایک ذاتی اور دوسرا اجتماعی۔ ذاتی زندگی میں انسان ماں باپ، بیوی بچوں، رشتہ دار اور عزیز واقربا سے لین دین کرتے وقت کسی بھی قسم کا جب جھوٹ بولتا ہے، تو یہ جھوٹ روزے کے ثمرات کو ضائع کر دیتا ہے۔ اور اجتماعی جھوٹ یہ ہے کہ قوم میں کوئی ایسی چیز رواج پا جائے جو جھوٹ پر مبنی ہو، خلافِ حقیقت ہو، جو اللہ کے دین اور شریعت کے برعکس ہو، انسانی مفاد کے خلاف ہو، انسانوں کو نقصان پہنچانے والی ہو تو ہر ایسی چیز جو خلافِ حقیقت ہے، انسان اس جھوٹ کا ساتھی نہ بنے، اس کی حمایت نہ کرے، اس کے پھیلاؤ کا ذریعہ نہ بنے۔ ان دو دائروں میں جب انسان جھوٹ سے پرہیز کا اہتمام کرے گا، تو پھر یہ روزہ اَثر انگیز ہوگا۔ ورنہ یہ ایسے ہی ہے، جیسے پانی یا دودھ میں ناپاک چیز گِر جائے تو وہ استعمال کے قابل نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اس شرط کے ساتھ ہمیں اپنا رمضان مکمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت قتادہ بن نعمان بدری انصاری رضی اللہ عنہٗ

حضرت قتادہ بن نعمان بدری انصاری رضی اللہ عنہٗ السابقون الاولون میں سے ہیں۔ آپؓ کا شمار فضلا صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ کئی صحابہ کرامؓ آپ سے روایت کرتے اور استفتا و مسائل معلوم کیا کرتے تھے۔ جیسے اکابرین صحابہ حضرت ابوسعید خدری، حضرت حذیفہ اور حضرت، محمود بن لبید رضی اللہ عنہم۔ آپؓ والدہ کی طرف سے حضرت ابوسعید خدریؓ کے بھائی تھے۔ حضرت قتادہؓ کو ستر اَنصاری صحابہ کے ہمراہ بیعتِ عقبہ ثانیہ میں شمولیت کی توفیق ملی، البتہ ابن اسحاق نے عقبہ میں شامل ہونے والے انصاری صحابہؓ میں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ ابن ابی داود کہتے ہیں کہ: آپؓ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے قرآن حکیم کی سورۃ مریم کے ساتھ داخل ہوئے، آپ کی مرویات بخاری، ترمذی، مسند احمد وغیرہ میں ہیں۔ حضرت قتادہؓ رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ تیراندازوں میں سے تھے اور غزوۂ بدر، اُحد، خندق اور بعد کے دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر بنی ظفر کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ غزوۂ حنین میں ثابت قدم رہے۔ آپؓ جنگِ موتہ کا بدلہ لینے والے لشکر اور جیشِ اسامہؓ میں بھی شریک تھے۔

غزوۂ اُحد کے روز حضرت قتادہؓ کی آنکھ پر تیر لگا، جس سے ان کی آنکھ کا ڈیلا باہر آ گیا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ تیر لگا ہے تو میرا ڈیلا باہر آ گیا ہے اور بات یہ ہے کہ میں اپنی بیوی سے محبت کرتا ہوں۔ اگر اس نے میری آنکھ کو اس طرح دیکھا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھ سے نفرت نہ کرنے لگے۔ آپؐ نے اس ڈیلے کو اپنے ہاتھ سے واپس رکھ دیا اور صحیح جگہ پر قائم ہو گیا اور بینائی لوٹ آئی۔ بڑھاپے میں بھی دونوں آنکھوں میں سے یہ آنکھ زیادہ قوی اور زیادہ صحیح تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے جس آنکھ میں اپنا لعاب لگایا تھا، وہ دونوں میں سے حسین تر ہو گئی۔ آپؐ ان کے حق میں دعا فرمائی کہ: ’’الٰہی! ان کی آنکھ کو صاحبِ جمال بنا دے‘‘۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ: ’’میں ایک دفعہ ایک تاریک رات میں... آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔... آپؐ نے فرمایا: ’’کھجور کی یہ خشک شاخ لے لو اور اس کے ساتھ اپنی حفاظت کرو۔ تم نکلو گے تو یہ تمھارے لیے دس قدم آگے اور دس قدم پیچھے روشنی کرے گی‘‘۔ پھر فرمایا: ’’جب اپنے گھر میں داخل ہو گے تو اس کے ساتھ گھر کے بائیں جانب موجود سخت پتھر جیسی چیز پر ضرب لگانا، کیوں کہ وہ شیطان ہوگا‘‘۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ: میں باہر نکلا تو اس چھڑی نے میرے لیے ہر طرف روشنی کر دی۔ پھر میں (گھر میں داخل ہوا) پتھر جیسی اس سخت چیز پر ضرب لگانے لگا، یہاں تک کہ وہ میرے گھر سے نکل گئی‘‘۔ حضرت قتادہؓ کا انتقال 65 سال کی عمر میں ۲۳ ہجری میں حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت کے آخری سال ہوا۔ حضرت عمرؓ نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپؓ کے بیٹے عمر اور عبداللہ تھے۔

www.rahimia.org

موجودہ عالمی بساط پر اتھل پتھل اور اُمتِ مسلمہ کے لیے لمحۂ فکریہ

وینز ویلا کے منتخب صدر نکولس مادورو کا اپنے ملک سے امریکی فوج کے ہاتھوں اغوا عصرِ حاضر کی عالمی سیاست میں طاقت کے بے لگام استعمال کی نہایت بھونڈی اور اقوامِ عالَم کے لیے عبرت ناک مثال ہے۔ قبل ازیں اس خودمختار ریاست کو اس کی سیاسی خود اختیاری اور معاشی ترجیحات کی سزا دینے کے لیے معاشی پابندیاں، سفارتی دباؤ اور داخلی عدمِ استحکام کے مختلف حربے آزمائے گئے۔ تیل جیسی بے پناہ قدرتی دولت کے باوجود وینز ویلا کے عوام کو شدید معاشی بحران، افراطِ زر اور سماجی انتشار میں مبتلا کرنا اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے کہ موجودہ عالمی نظام میں طاقت آج بھی قانون، اَخلاق اور انسانی ہمدردی کی سیاسی وسماجی روایات پر غالب ہے۔ اقوامِ عالَم کی خاموشی یا محض رسمی بیانات اس نظام کے اَخلاقی دیوالیہ پن کی گواہی دیتے ہیں۔

یہ حقیقت کسی ایک ملک تک محدود نہیں، بلکہ اس وسیع تر بحران کی علامت ہے، جس سے موجودہ عالمی نظام دوچار ہے۔ عصرِ حاضر کی دنیا ایک ایسے فیصلہ کن تاریخی مرحلے میں داخل ہو چکی ہے، جہاں گزشتہ صدی میں قائم ہونے والا عالمی نظام اپنی داخلی کمزوریوں، فکری تضادات اور اَخلاقی کھوکھلے پن کے باعث بکھرتا دکھائی دیتا ہے۔ سرد جنگ کے بعد وجود میں آنے والی یک قطبی عالمی بالادستی کو طویل عرصے تک عالمی استحکام، ترقی اور امن کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا، مگر وقت نے ثابت کر دیا کہ یک طرفہ بالادستی کا یہ نظام' دراصل طاقت، مفاد اور جبر پر قائم تھا۔ جمہوریت، عدل، اَخلاق اور انسانی وقار اس میں زیادہ تر دل کش نعروں تک محدود رہے۔

گزشتہ دو دہائیوں میں معاشی بحران، سیاسی انتشار، سماجی خلفشار اور مسلسل عسکری مداخلتوں کی ناکامی نے اس یک قطبی نظام کو خود اپنے بھاری بوجھ تلے متزلزل کر دیا ہے۔ اسی پسِ منظر میں بڑی طاقتوں کے مابین کش مکش، علاقائی قوتوں کی خود اِثباتی خواہش اور عالمی جنوب کی بڑھتی ہوئی بے چینی ایک نئی عالمی بساط ترتیب دے رہی ہے، جسے موجودہ سیاسی لغت میں ''ملٹی پولر دنیا'' کہا جا رہا ہے، تاہم یہ تبدیلی محض طاقت کے مراکز کی منتقلی ہی نہیں، بلکہ عالمی سیاست، معیشت اور تہذیبی فکر کے ایک گہرے بحران کی علامت بھی ہے۔

امریکا اور اس کے عالمی حریفوں کے درمیان جاری کش مکش کو اگر محض تجارتی تنازعات یا عسکری مقابلے تک محدود سمجھ لیا جائے تو یہ حقیقت کا ادھورا فہم ہوگا۔ دراصل یہ دو مختلف عالمی مناہج اور فکری رویوں کا تصادُم ہے۔ ایک طرف وہ نظام ہے، جو آزادی، جمہوریت اور انسانی حقوق کے خوش نما نعروں کے باوجود طاقت کے بے دریغ استعمال، معاشی استحصال اور سیاسی دباؤ کے ذریعے اپنی بالادستی قائم رکھنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف وہ اُبھرتی ہوئی طاقتیں ہیں جو ریاستی نظم، طویل المدتی منصوبہ بندی اور قومی اور ریاستی معاشی خودکفالت کے ذریعے عالمی اثر و رسوخ میں اضافہ کر رہی ہیں، مگر وہ بھی کسی آفاقی اَخلاقی یا روحانی نظام کی نمائندہ نہیں۔

اسی تناظر میں یہ خوش فہمی بھی فروغ پا رہی ہے کہ یک قطبی نظام کے خاتمے کے بعد عالمی عدل خود بہ خود قائم ہو جائے گا، حالاں کہ تاریخِ انسانیت اس تصور کی تائید نہیں کرتی۔ طاقت اگر ایک مرکز سے نکل کر کئی مراکز میں تقسیم ہو جائے تو لازماً انصاف قائم نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات ظلم کی صورتیں مزید پیچیدہ اور ہمہ گیر ہونے کے اندیشے بڑھ جاتے ہیں۔ اس لیے نئی عالمی بساط بھی اسی وقت انسانیت کے لیے امن، خیر اور بھلائی کا ذریعہ بن سکتی ہے، جب طاقت اَخلاقی اُصولوں اور انسانی ذمہ داری کے تابع ہو اور یہ وصف موجودہ عالمی سیاست میں نایاب دکھائی دیتا ہے۔

اس بدلتی ہوئی عالمی صورتِ حال میں امتِ مسلمہ کا طرزِ عمل نہایت تشویش ناک ہے۔ امریکی زوال پر کہیں فکرمندی تو کہیں جذباتی مسرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ کہیں اُبھرنے والی نئی عالمی طاقتوں سے غیر حقیقی اُمیدیں وابستہ کی جا رہی ہیں اور کہیں مکمل خاموشی اختیار کر کے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ تمام رویے اس گہرے فکری بحران کی نشان دہی کرتے ہیں، جس میں اُمت اس وقت مبتلا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلم دنیا کی اصل کمزوری عسکری یا معاشی قلت نہیں، بلکہ فکری انتشار، تہذیبی بے یقینی اور باصلاحیت و باکردار قیادت کے فقدان میں پوشیدہ ہے۔ جب کوئی قوم اپنے مقصدِ وجود، اپنی تہذیبی بنیاد اور اپنی اجتماعی ذمہ داری کو فراموش کر دیتی ہے تو عالمی طاقتوں کی اُکھاڑ پچھاڑ اور تبدیلی بھی اس کے لیے نجات کے بجائے ایک نئے امتحان کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

ایسے نازک مرحلے پر امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا فکری منہج غیر معمولی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک تاریخ محض سیاسی واقعات کا مجموعہ نہیں، بلکہ الٰہی طریقۂ کار کے تحت چلنے والا ایک بامقصد عمل ہے۔ قوموں کا عروج و زوال اَخلاقی اَقدار، عدلِ اجتماعی اور فکری توازن سے وابستہ ہے، نہ کہ صرف عسکری قوت یا معاشی برتری سے۔ شاہ صاحبؒ کا تصورِ ''ارتفاقات'' اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ کسی بھی معاشرتی یا عالمی نظام کی بنیاد' انسانی ضرورتوں کی منصفانہ تکمیل، اجتماعی ہم آہنگی اور اَخلاقی قیادت پر ہوتی ہے۔ اگر آج کے عالمی نظام کو اس کسوٹی پر پرکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ موجودہ طاقتیں اپنے اپنے مفادات کے گرد گردش کر رہی ہیں، اور یہی مفاد پرستی عالمی بے چینی، تصادم اور عدم استحکام کو جنم دے رہی ہے۔

ولی اللّٰہی فکر ہمیں یہ بھی رہنمائی کرتی ہے کہ قیادت محض اقتدار کا نام نہیں، بلکہ فکری، اَخلاقی اور تہذیبی رہنمائی کا منصب ہے۔ جب قیادت مصلحتوں، خوف اور ذاتی مفادات کی اسیر ہو جائے تو قومیں تاریخ کے مرکزی دھارے سے کٹ کر حاشیے پر چلی جاتی ہیں۔ آج امتِ مسلمہ اسی نازک مرحلے سے گزر رہی ہے۔ بقیہ: صفحہ: 11 پر

www.rahimia.org

’’قلب‘‘ سے متعلق ’’مقامات‘‘ (3)

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

(’’قلب‘‘ کے مقامات میں سے ’’حُبِ خاص‘‘ کے اولیاء اللہ میں پیدا ہونے والے احوال و آثار کا بیان چل رہا ہے، جن میں سے 2 پہلے بیان ہو چکے ہیں۔)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ’’حُجّةُ اللّٰہِ البالِغه‘‘ میں فرماتے ہیں:

(3۔ دُعاؤں کی قبولیت)

’’اُس ولی کے ہر سوال اور دُعا کو قبول کیا جاتا ہے اور وہ جس بابت اللہ سے پناہ مانگے، اُس کو پناہ دی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ اپنے ربّ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ: ’’وہ بندہ اگر مجھ سے سوال کرے، مَیں اُس کو ضرور عطا کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو مَیں اُس کو ضرور پناہ دیتا ہوں‘‘۔ (صحیح بخاری، حدیث: 6502)

مَیں کہتا ہوں کہ: یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اللہ کا وہ مقرب بندہ (اس مقام کی وجہ سے) ’’حظیرۃ القدس‘‘ میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ ایسا مقام ہے، جہاں دنیا کے حوادث و واقعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ پس اُس ولی کی اللہ سے دعا اور اس کا اللہ سے پناہ مانگنا ’’حظیرۃ القدس‘‘ تک پہنچا دیا جاتا ہے اور وہ اللہ کی قضا کے نزول کا سبب بنتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار میں دعا کی قبولیت سے متعلق کچھ واقعات درجِ ذیل ہیں:

(1) ایک واقعہ وہ ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ابوسعدہ کو بدُعا دی تھی کہ: ’’اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور یہاں ریاکاری اور نمود و نمائش کے لیے جھوٹی گواہی دینے کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر لمبی کر اور اس کی غربت اور فقر کو لمبا کر دے۔ اور اسے فتنوں میں مبتلا کر دے‘‘۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا جیسا انھوں نے کہا۔

(امام بخاریؒ نے حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت کیا ہے کہ اہلِ کوفہ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حضرت عمر فاروقؓ سے شکایت کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر کے حضرت عمارؓ کو کوفہ کا حاکم بنایا۔ کوفہ والوں نے حضرت سعدؓ کے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ وہ تو اچھی طرح نماز بھی نہیں پڑھا سکتے۔ چناں چہ حضرت عمرؓ نے ان کو بُلا بھیجا۔ آپؓ نے ان سے پوچھا کہ: ’’اے ابواسحاق (حضرت سعدؓ کی کنیت)! ان کوفہ والوں کا خیال ہے کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھا سکتے ہو؟‘‘ اس پر حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ: ’’اللہ کی قسم! مَیں تو انھیں نبی کریم ﷺ ہی کی طرح نماز پڑھاتا تھا، اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔ عشا کی نماز پڑھاتا تو اس کی دو پہلی رکعات میں (قرأت) لمبی کرتا اور دوسری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا‘‘۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: ’’اے ابواسحاق! مجھ کو تم سے اُمید بھی یہی تھی‘‘۔ پھر آپؓ نے حضرت سعدؓ کے ساتھ ایک یا کئی آدمیوں کو کوفہ بھیجا۔ قاصد نے ہر ہر مسجد میں جا کر ان کے متعلق پوچھا۔ سب نے آپؓ کی تعریف کی، لیکن جب ’’مسجد بنی عبس‘‘ میں گئے تو ایک شخص۔۔ جس کا نام اُسامہ بن قتادہ اور کنیت ابوسعدہ تھی۔۔ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا کہ: ’’جب آپ نے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہے تو (سنیے کہ) (1) سعد نہ فوج کے ساتھ خود جہاد کرتے تھے، (2) نہ مالِ غنیمت کی تقسیم صحیح کرتے تھے (3) اور نہ فیصلے میں عدل و انصاف کرتے تھے‘‘۔ حضرت سعدؓ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ: ’’اللہ کی قسم! مَیں (تمھاری ان جھوٹی باتوں پر) تین دُعائیں کرتا ہوں: اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور صرف ریا اور نمود و نمائش کے لیے کھڑا ہوا ہے تو (1) اس کی عمر دراز کر (2) اور اسے خوب محتاج بنا (3) اور اسے فتنوں میں مبتلا کر‘‘۔ اس کے بعد (وہ شخص اس درجہ بدحال ہوا کہ) جب اس سے پوچھا جاتا تو کہتا کہ: ’’ایک بوڑھا اور پریشان حال ہوں، مجھے حضرت سعدؓ کی بددعا لگ گئی‘‘۔ راوی حضرت عبدالملک نے بیان کیا کہ: ’’مَیں نے اسے دیکھا کہ اس کی بَھنویں بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں پر آ گئی تھیں، لیکن اب بھی راستوں میں وہ لڑکیوں کو چھیڑتا تھا‘‘۔) (رواہ البخاری، حدیث: 755)

2۔ دوسرا واقعہ وہ ہے جب حضرت سعیدؓ نے اروٰی بنت اُویس کو بدُعا دی تھی کہ: ’’اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کی آنکھوں کو اندھا کر دے اور اسے اپنی زمین ہی قتل کر دے‘‘۔ چناں چہ ایسے ہی ہوا جیسے انھوں نے کہا تھا۔

(امام مسلمؒ نے حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت کیا ہے کہ اروٰی بنت اویس نے حضرت سعید بن زیدؓ کے خلاف دعوٰی کیا کہ انھوں نے اس کی کچھ زمین پر قبضہ کر لیا ہے اور (مدینہ کے گورنر) حضرت مروان بن حکمؓ کے پاس مقدمہ لے کر گئی تو حضرت سعیدؓ نے کہا: ’’کیا مَیں اس حدیثِ نبویؐ کے بعد بھی اس کی زمین کے کسی حصے پر قبضہ کر سکتا ہوں جو مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی؟‘‘ حضرت مروانؓ نے کہا: ’’آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا؟‘‘ انھوں نے کہا: ’’مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ’’جس نے (عام یا کسی کی) زمین میں سے ایک بالشت بھی ظلم سے حاصل کی، اسے سات زمینوں تک کا طوق پہنایا جائے گا‘‘۔ تو حضرت مروانؓ نے ان سے کہا: ’’اس کے بعد مَیں آپ سے کسی شہادت کا مطالبہ نہیں کروں گا۔‘‘ اس کے بعد حضرت سعیدؓ نے کہا: ’’اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کی آنکھوں کو اندھا کر دے اور اسے اس کی زمین ہی میں ہلاک کر دے‘‘۔ حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ: ’’وہ (اس وقت تک) نہیں مری یہاں تک کہ اس کی بینائی ختم ہو گئی، پھر ایک مرتبہ وہ اپنی ہی زمین میں چل رہی تھی کہ ایک گڑھے میں جا گری اور مر گئی‘‘۔) (صحیح مسلم، حدیث: 4134)

(4۔ اپنے نفس سے فنا ہونا اور حق کے ساتھ باقی رہنا)

اُن احوال میں سے ایک ’اپنے نفس سے فنا ہو کر حق کے ساتھ باقی رہنا‘ ہے۔ یہ حالت وہی ہے، جسے صوفیا کے نزدیک ’’غلبةُ کونِ الحقِّ علٰی کونِ العَبد‘‘ (حق کی تکوین کا بندے کی تکوین پر غالب آ جانا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ربّ تبارک وتعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ: ’’میرا بندہ (فرض ادا کرنے کے بعد) نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ مَیں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب مَیں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو مَیں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے‘‘۔ (صحیح بخاری، حدیث: 6502)

بقیہ، ص: 11 پر

www.rahimia.org

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

سلطان محمد فاتح کی قسطنطنیہ پر حملے کی تیاری (2)

عثمانی افواج کی قسطنطنیہ پر حملے کی تیاری کو دیکھتے ہوئے قسطنطین نے مغربی یورپ سے مدد کی درخواست کی تھی، وہ خاطر خواہ حد تک پوری نہ ہوئی۔ اٹلی اور سپین نے بعض شہروں سے —جن کے قسطنطنیہ کے ساتھ تجارتی روابط تھے— چند فوجی دستے مدد کے لیے روانہ کیے۔ البتہ جنیوا —جو قسطنطنیہ سے تجارت کا اجارہ دار تھا— سے دو جنگی جہاز اور سات سو فوجیوں پر مشتمل ایک دستہ مدد کے لیے آیا۔ 6/اپریل 1453ء کو عثمانی افواج نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اسی دوران ایک مختصر سی بحری جنگ بھی پیش آگئی۔ وہ اس طرح کہ اہلِ قسطنطنیہ کے لیے ایک یونانی اور چار جنیوا کے جہاز رسد کا سامان لا رہے تھے۔ آبنائے باسفورس میں جہاز داخل ہوئے تو عثمانی بحری بیڑہ —جو تقریباً ڈیڑھ سو کشتیوں پر مشتمل تھا— اُن کی راہ میں حائل ہوگیا۔ انھوں نے عثمانی بحری بیڑے پر حملہ کردیا۔ چوں کہ جنیوا کے جہاز بڑے اونچے اور طاقت ور تھے، انھوں نے عثمانی کشتیوں پر پتھر اور آگ کے گولے برسانے شروع کردیے، جس سے وہ منتشر ہونے لگیں، یہ انتشار ان کی کثرت سے اَور بھی بڑھ گیا۔ سلطان محمدؒ ساحل پر کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے بے اختیار اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا، لیکن عثمانی بیڑا تتر بتر ہوگیا اور جہازوں کو نکل جانے کا راستہ مل گیا۔ بہ ظاہر اس کامیابی پر شہر کے محصورین کی کچھ ہمت بندھی۔

اس صورتِ حال پر سلطان محمد کو اندازہ ہوگیا کہ آبنائے باسفورس کے اس حصے میں جہاں پانی زیادہ اور گہرا ہے، وہاں عثمانی بحری بیڑہ عیسائیوں کے طاقت ور جہازوں کے مقابلے میں مشکل سے کامیاب ہوسکتا ہے۔ چناں چہ اس نے اپنی کشتیوں کی ایک بڑی تعداد بندرگاہ کے اوپر والے حصے پر منتقل کرنا چاہی، جہاں پانی تنگ اور کم گہرا تھا۔ جہاں یونانی اور جنیوا کے جہاز اپنی قد و قامت کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوسکتے، لیکن سمندر کے راستے سے بندرگاہ تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ اس پر سلطان محمد نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی، جو اس کی ذہانت اور اعلیٰ منصوبہ بندی کی نادر مثال تھی۔ اس نے آبنائے فارسفورس اور بندرگاہ کے درمیان جو پانچ میل کا زمینی راستہ تھا، اس پر لکڑی کے تختوں کی ایک سڑک بنوائی اور ان تختوں کو چربی سے خوب چکنا کیا۔ اور رات کے وقت تقریباً اسّی کشتیاں بیلوں سے کھنچوا کر بندرگاہ کے اس حصے میں پہنچا دیں۔

قسطنطنیہ کا یہ حصہ اب تک محفوظ تھا۔ اب یہ حصہ بھی عثمانی افواج کی زد میں آگیا۔ صبح کے وقت اہلِ قسطنطنیہ نے خوف اور تعجب کے ساتھ عثمانی کشتیوں کو اپنی بندرگاہ میں لنگر انداز دیکھا۔ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے قسطنطین کو مجبوراً اپنے سپاہیوں کا ایک دستہ دوسری طرف سے ہٹا کر اس طرف متعین کرنا پڑا۔ اس دوران عثمانی افواج کی طرف سے شہر پر برابر حملے جاری رہے، لیکن شہر کی دیواریں اس قدر مضبوط تھیں، جو ایک ہزار سال سے حملہ آوروں کا مقابلہ کررہی تھیں۔

بقیہ: صفحہ 11 پر

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

تحفظِ لُوٹ قانون سازی

90ء کی دہائی میں سویت یونین کے اِنہدام کے بعد دنیا معاشی میدان میں ایک بڑی کروٹ لے رہی تھی اور اس وجہ سے امریکا اور یورپ نیولبرل معاشی پالیسیوں کی جانب تیزی سے راغب ہوئے، جس کے بنیادی اُمور میں نجکاری، ضابطوں سے آزادی (Deregulation)، بجٹ کے خساروں میں کمی اور گلوبلائیزیشن وغیرہ شامل تھے۔ چناں چہ پوری دنیا اس نئے تصور کو عملی شکل دینے کے درپے ہوگئی۔ اس پیروی میں 1992ء کے دوران Protection of Economic Reforms Act لایا گیا، جس کے تحت غیرملکی سرمایہ کاری کو خوب مراعات دی گئیں، جن میں فارن کرنسی کو بلا پوچھ گچھ ملک سے باہر اور اندر لایا جانا ایک بنیادی نقطہ تھا۔ اس قانون نے بعد ازاں کرپشن کے ایک تباہ کن سلسلے کا آغاز کیا اور ہماری مقتدرہ اور ہر قسم کے سرکاری ملازمین نے خوب لوٹ کھسوٹ کی اور خوب دولت ملک سے باہر محفوظ پناہ گاہوں میں پہنچائی۔

دولت کی بیرون ممالک منتقلی کے بعد ان ممالک میں مستقل سکونت اختیار کرنا گویا ایک قومی شوق بنتا چلا گیا۔ یوں ایک مربوط اور محفوظ نظام کے تحت قومی دولت اصل حق داروں کی جگہ واپس مغربی پناہ گاہوں میں منتقل کی جاتی رہی اور ضرورت پڑنے پر ضرورت کا سرمایہ فارن کرنسی کی صورت میں پاکستان منتقل کردیا جاتا۔ یوں ہمارے بیوروکریٹ اور سیاست دان قانون کی ممکنہ پکڑ میں آنے سے بچے رہتے۔ مغربی ممالک ٹیکس کے لحاظ سے مہنگے اور اس پر قانون کی عمل داری میں قدرے سخت واقع ہوئے ہیں اور ہماری مقتدرہ کو کہاں یہ گوارا کہ وہ بے جا ٹیکس دیں اور خلافِ عادت محنت کرکے وہاں پہلے سے موجود منظّم معاشی سرگرمیوں میں اپنا حصہ ڈالیں۔ ایسے لوٹے ہوئے سرمائے کو استعمال میں لانے کے ذرائع چند ایک ہی تھے؛ یا تو اُن ممالک میں منتقل ہوجائیں، یا بچوں کو سیٹل کردیں، یا دھیرے دھیرے وہ سرمایہ ملک میں واپس لے آئیں اور اسے فارن کرنسی میں ترسیلِ زر بتائیں اور پاکستان میں شاہانہ زندگی گزاریں، لیکن اس سب میں کچھ قانونی پیچیدگیاں تھیں جن میں سب سے خطرناک وہ قوانین جو روس اور چین کے سرمایہ کاروں سے نپٹنے کے لیے مغربی ممالک نے بنائے، جن کے تحت مغرب میں مقیم غیرملکیوں کو اپنی دولت کا حساب دینا تھا۔

ایسے میں اس لوٹ کے مال کو کہاں رکھا جائے؟ اس کے لیے شیل کمپنیاں اور آف شور بینک اکاؤنٹس کھولنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ بعد ازاں ہم سب کے مشاہدے میں آیا کہ ہماری بے چاری مقتدرہ —جو لوٹ کے اس مال کو بچانے میں لگی ہے— قریباً ہر مالیاتی غبن کی لیک Leak میں اس کا نام ہے، لیکن شرم تو ہمیں ہے نہیں۔ گزشتہ تین سالوں میں انھوں نے ایسے اقدامات کیے ہیں، جو پھر سے ان کی دولت کو محفوظ کرنے میں مدد فراہم کریں گے۔

بقیہ: صفحہ 11 پر

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

شریعت کے پانچ احکامات؛ ولی اللّٰہی حکمت کے تناظر میں

۲۹؍ شعبان المعظم ۱۴۴۶ھ / 28؍ فروری 2025ء کو حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! رمضانُ المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہونے والا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس ماہ مبارک کی اہمیت بیان کرتے ہوئے سن دو ہجری میں ۲۹؍ شعبان کی شام کو صحابہ کرامؓ سے خطاب کیا اور یہ بات واضح فرمائی کہ: ''تم پر ایک ایسا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے، جو بہت عظیم ہے الخ'' الحدیث۔ (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث: 1965) آج بھی ۲۹؍ شعبان ہے۔ 622 عیسوی میں نبی اکرم ﷺ اور اُمتِ محمدیہؐ پر پہلا رمضان فرض ہوا۔ آج 2025 ہے۔ ایک طویل عرصہ گزر گیا ہے۔ اس دوران امت محمدیہؐ نے پورے تسلسل کے ساتھ اس ماہ مبارک کی عظمت، اس کی اہمیت اور اس کی برکات کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ ہمیں بھی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں اس حقیقت کو سامنے رکھنا ہے کہ آنے والے دنوں میں ہم رمضان المبارک کی برکات اور عظمت سے فائدہ اٹھا سکیں۔

انسانیت کے وجود اور بقا کے لیے رمضان المبارک کے یہ روزے اتنی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں کہ کسی دور کے انسانوں کو اس سے مبرا قرار نہیں دیا گیا۔ یہ حکمت ربانیہ ہے، جسے نبی اکرم ﷺ ہی نہیں، بلکہ آپؐ سے پہلے تمام انبیا علیہم السلام پر بھی اللہ پاک نے انسانیت کی ہدایت کے لیے نازل کیا تھا۔ (2-البقرہ: 183) اس حکمتِ ربانیہ کی وضاحت کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسانیت تخلیق کی، حضرت آدم علیہ السلام کو پہلا انسان کو بنایا تو اس کے وجود پر اس بات کو جانچنے کے لیے اپنی تجلی ڈالی کہ کون سی چیزیں اس انسان کی بقا، حفاظت اور اس کی ترقی کے لیے ناگزیر و لازمی ہیں؟ اور کون سی چیزیں ایسی ہیں جو اس انسانی وجود کے لیے انتہائی نقصان دہ ہیں؟

جب انسانی وجود پر تجلیات ڈالیں تو اس کے جسم سے مختلف رنگوں کی بے شمار چنگاریاں پھوٹیں۔ اس کلر سکیم سے پتہ چل گیا کہ اس انسانی جسم میں کن کن چیزوں کی ضرورت ہے اور اسے انسانی وجود کے لیے لازمی قرار دیا جانا چاہیے۔ اور کچھ شعائیں اور شرارے ایسے پھوٹے، جنھوں نے یہ واضح کر دیا کہ فلاں فلاں چیزیں اس جسم انسانی کے لیے انتہائی زہریلی اور نقصان دہ ہیں۔ جو چیزیں انسانی وجود کے لیے انتہائی ضروری تھیں، انھیں ''فرض'' و ''واجب'' قرار دے دیا گیا۔ جو چیزیں انتہائی مضر اور نقصان دہ تھیں، انھیں ''حرام'' قرار دے دیا گیا۔ اسی طریقے سے جو چیزیں کم فائدہ مند تھیں، ان کو ''سنت'' اور جو چیزیں کم نقصان دہ تھیں، انھیں ''مکروہ'' قرار دے دیا گیا اور جن کا نفع و نقصان برابر تھا، انھیں ''مباح'' قرار دے دیا گیا۔ روزہ جب انسانی وجود اور نفس کے مرحلے سے گزرا تو انسانی نسمے کی بقا، اس کے جسم کی حفاظت اور اس کی روحِ ملکوتی کی تکمیل کے لیے انتہائی ضروری قرار پایا، اس لیے روزہ رکھنا انسانیت پر ''فرض'' قرار دے دیا گیا''۔

روزے کا مفہوم اور حکمتِ ربانی پر مبنی معتدل طریقہ

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''الصّیام'' (روزہ) کی لغوی تعریف: انسان کا چیزوں سے رک جانا ہے۔ دوسری حقیقت جسے مفسرین و علمائے لغت نے بیان کیا ہے: ''تَرکُ التّنقُّل'' یعنی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے سے رُک جانا''۔ عربی لغت میں ''صوم'' کا لفظ مستعمل ہے، جس کا معنی سکوت اور وقفہ بھی ہے۔ یعنی: انسان اپنی خواہشات سے ''اِمساک'' یعنی رُک جائے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نہ جائے۔

انسان پر مختلف حالات و کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ جب تک اس کے جسم پر کوئی حالت یا کیفیت طاری نہ ہو، انسان کوئی کام نہیں کرتا۔ مثلاً انسان کو پیاس لگے تو پیاس کی حالت پورے وجود پر طاری ہوتی ہے۔ اس کا ہر ایک حصہ پانی مانگ رہا ہوتا ہے۔ یہ حالت اسے اکساتی ہے کہ اگر یہاں پانی دستیاب نہیں ہے، تو ''التَّنَقُّل'' یعنی: اس حالت سے نکل کر کسی دوسری جگہ جا کر پانی پیئے۔ یہی صورت بھوک اور شہوت کی شدت کے وقت ہوتی ہے۔ اب ایسی حالتوں میں ''تَرکُ التَّنَقُّل'' کرنا ضروری ہے۔ بھوک، پیاس، شہوت کی طلب ہو تو رُک جائیں، برداشت کریں، یہی روزہ ہے۔

روزے کے حوالے سے دو تین طرح کی حکمتیں رہی ہیں: ایک طرف حکمت طبعیہ، جو فلاسفہ یونان یا طبعی تقاضوں کے مطابق ہے کہ صبح سے شام تک کھائے پیئے گا نہیں، تو جسم کمزور ہو جائے گا، طبیعت ڈھیلی ہو جائے گی، اس کے طبعی تقاضے پورے نہیں ہوں گے۔ اس لیے روزے نہیں رکھنے چاہئیں، جب بھوک لگے فوراً کچھ نہ کچھ کھاتے رہو۔ یہ روزے کے منکرین کی ایک الگ انتہا ہے۔ ایک حکمتِ نظری اور رہبانی ہوتی ہے، جو محض عارضی مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے۔ مثلاً صوفیوں کا وہ گروہ جس نے اس روزے کو انتہا پسندی کی بنیاد پر مسلسل رکھنے کا رویہ اپنایا۔ چھ چھ مہینے تک مستقل روزہ رکھنا، غاروں میں جا کر بسیرا کرنا وغیرہ۔ یہ دوسری انتہا پسندی ہے۔

ان دونوں کے درمیان ایک معتدل حکمت ربانی ہے، جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین؛ حوارین، صدیقین، شہداء اور صالحین نے اپنائی۔ انھوں نے انسان کے وجود کے لیے جو لازمی چیز تھی، اس کو بڑے سوچ سمجھ کر ایک طے شدہ سسٹم کے تحت انسانیت کے لیے مقرر کیا۔ مثلاً سال میں ایک ماہ کا روزہ رکھنا ہے۔ روزہ انسان کے لیے ہے، اس کے خلاف نہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے حکمت ربانیہ کے تحت کہ جو چیز جتنی ضرورت کے مطابق عمل میں لائی جانی چاہیے، وہ لازمی ادا کی جائے۔ روزے کا سرے سے انکار بھی انسانی وجود کے لیے زہر ہے، اسے مسلسل رکھنا بھی انسان کے وجود کے لیے خطرہ ہے۔ حکمت ربانیہ اصل ہے، جس نے یہ طے کیا ہے کہ سال بھر میں صرف ایک مہینے کے روزے رکھے جائیں۔ گیارہ مہینے روزے رکھنا ضروری نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ مہینے میں تین دن (ایامِ بیض) کے روزے رکھ لیے جائیں''۔

www.rahimia.org

روزے کا مقصد؛
تقویٰ اور اس کا جامع مفہوم

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’روزہ رکھنا انسان کی ضرورت ہے اور یہ اس لیے انسانیت پر فرض کیا گیا ہے تاکہ ان میں تقویٰ پیدا ہو۔ (2- البقرہ: 183) اس تقویٰ کے مفہوم میں بہت ساری چیزیں شامل ہوگئیں، کیوں کہ روزہ انسان کے جسم کے لیے بھی تقویٰ ہے اور روح کے لیے بھی تقویٰ ہے۔تقویٰ کا مطلب عدل، اعتدال اور توازن ہے۔ یہ انسان کے جسم میں بھی توازن پیدا کرتا ہے کہ گیارہ مہینے مسلسل کھانے پینے اور جنسی خواہشات کے بے محابا استعمال کرنے کے نتیجے میں اس کے جگر، دل، دماغ، اعصاب، ہڈیوں اور اس کے وجود کے اندر زہریلے اثرات سرایت کر چکے ہوتے ہیں، انھیں اس جسم سے نکال باہر کرنے کے لیے روزے کے طور پر فاقہ ضروری ہے۔تمام مذاہب اور تمام طبیعاتی تجربے اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ایک خاص وقت کا فاقہ‘ انسانی جسم کے بہت سارے امراض کا علاج کرتا ہے۔ کیوں کہ ایک خاص وقت (سحری) سے دوسرے خاص وقت (افطاری) تک جو بھی غذا اس نے کھائی، ایک وقت تک جگر کو کام کرنا ہے، معدے نے اپنا کام کرنا ہے، اس کے بعد اس کو سارا دن آرام ہے۔

رمضان المبارک کا روزہ دن کے وقت ہے اور رات کو ویسے بھی ’’قیام‘‘ کا حکم دیا گیا، کھڑے ہونے کی حالت میں اللہ کا کلام پڑھے، تلاوت سنے، تراویح پڑھے، عبادات میں مشغول ہو، تہجد پڑھے۔ سال بھر رات کو مسلسل سونے کے نتیجے میں بھی جو مسائل پیدا ہوتے ہیں، ان کا علاج تراویح اور قیام اللیل کے ذریعے سے ہوتا ہے اور دن بھر میں جتنے مسائل پیدا ہوتے ہیں، ان کا علاج دن کے روزے کے ساتھ وابستہ ہے۔

گویا کہ رمضان المبارک تربیت وتزکیے کا مہینہ ہے۔ جسم کے مسائل بھی حل ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ روح بھی بحال ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ گیارہ مہینے جسم کی مصروفیات کے نتیجے میں روح صحیح طرح سے ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتی۔ زیادہ سے زیادہ پانچ وقت کی نماز میں وہ ایک مخصوص وقت میں اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، جو یومیہ روح کی غذا ہے۔ لیکن اس روح کی تکمیل، خواہشات کے وقفے، توجہ الی اللہ اور قیام اللیل سے ہوتی ہے۔ پورا ایک مہینہ جب نفس، قلب اور عقل قلب اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو روح یکسوئی کے ساتھ اللہ سے تعلق پیدا کر لیتی ہے۔

جب اس ماہ مبارک میں انسان اپنی روح اور اپنے جسم کو آزاد کر کے تربیت وتزکیے کا ایک موقع دے تو اصل انسانیت بحال ہوجاتی ہے۔ تمام چیزیں انسانی نقطہ نظر سے اعتدال پر آجاتی ہیں۔ یہ ہے روح کا تقویٰ، قلب کا تقویٰ، ذہن کا تقویٰ، جسم کا تقویٰ اور، عدل واحسان کی کیفیت۔ اب اس کے نتیجے میں اس کے تمام قلبی ارادے، تمام عقلی قوتیں، تمام نفسی تقاضے گرد وپیش کے حقائق کو درست نظروں سے جانچنے، پرکھنے اور صحیح فیصلہ کرنے کی اہلیت وصلاحیت حاصل کر لیتے ہیں۔ یہی عدل ہے، یہی تقویٰ ہے‘‘۔

حالتِ صوم میں
چار کاموں کی فضیلت

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’رمضان المبارک تربیت کا مہینہ ہے، ’’اِمساک‘‘ کا مہینہ ہے، خاموشی اور سکوت کا مہینہ ہے، لایعنی کاموں سے بچنے کا مہینہ ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ فرمایا کہ: ’’جو شخص (روزے کی حالت میں) جھوٹی بات کرنا اور جھوٹ پر عمل کرنا اور جہالت کی باتوں کو نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے‘‘۔ (صحیح بخاری، حدیث: 1903) روزہ تو تربیت کے لیے ہے، تقویٰ حاصل کرنے کے لیے۔ بولے تو سچ بولے، نہیں تو خاموش رہے۔ تلاوت کرے، ذکر کرے، عبادات کرے، اللہ سے تعلق جوڑے، قلب کو اللہ کی طرف متوجہ رکھے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ’’اس ماہِ مبارک میں چار باتیں اس طرح کثرت سے اپنالو کہ وہ تمھاری عادت اور خُلق بن جائیں:...(1) کثرت سے کلمہ طیبہ کا ذکر کرو! (2) توبہ واستغفار کی کثرت کرو!۔ (3) اللہ سے جنت کا سوال کرو! (4) اور جہنم سے پناہ مانگو!‘‘۔ (صحیح ابن خزیمہ، حدیث: 1887)

رمضان میں یہ چار کام کرنے اس لیے ضروری ہیں، تاکہ ان کے نتیجے میں تم پر وہ حالت طاری ہو جو اللہ سے جوڑنے والی ہے، تاکہ اس کے ذریعے تینوں حجابات ٹوٹیں: حجاب طبع ٹوٹے۔ جھوٹ بولنے، ظلم کرنے، بددیانتی کا ارتکاب کرنے کا حجاب رسم ٹوٹے۔ سوءِ معرفت کا حجاب یعنی باتوں کو درست تناظر میں نہ سمجھنے اور بدفہمی کا حجاب ٹوٹے۔

ہمیں پورا عزم کرنا چاہیے کہ آمدہ رمضان المبارک کو وصول کرنا ہے، اس کا اہتمام کرنا ہے۔ غیر ضروری سفر، غیر ضروری کاموں کو روک دیا جائے، صرف بہ قدر ضرورت دُنیوی اُمور انجام دیے جائیں۔ جتنے بڑے بڑے اولیاء اللہ، علمائے ربانیین ہیں، گیارہ مہینے کمائی کرتے تھے، جدوجہد وکوشش کرتے تھے اور رمضان المبارک کے مہینے میں ایک جگہ اعتکاف کرتے تھے۔ اعتکاف کا لغوی مطلب یہ ہے کہ گھٹنے ٹیک کر کسی ایک جگہ یکسوئی کے ساتھ بیٹھ جانا، تاکہ توجہ الی اللہ کی حالت سے فائدہ اٹھایا جائے، نفس، قلب اور عقل میں انتشار کی کیفیت سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

ہاں! جس کے اندر یہ صلاحیت واستعداد ہو کہ وہ اپنے کام کاج کے باوجود بھی قلب کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے قائم رکھ سکے تو ٹھیک ہے کرے۔ لیکن عام انسان دو تین کشتیوں میں بہ یک وقت پاؤں نہیں رکھ سکتے۔ اس لیے اپنی قوت کو مجتمع کرنا، اپنی انرجی اور پاور کو ایک جگہ پر یکسو کر لینا، ایسا ایک جگہ پر اعتکاف کے بغیر نہیں ہوتا، یکسوئی کے بغیر توجہ الی اللہ حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے یکسوئی کا معمول بنانا ضروری ہے۔ یہ دراصل ہمارے جسم اور روح کے لیے بھی، ہماری بقا کے لیے بھی اور ہماری دنیاوی اور اُخروی ترقی کے لیے بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگوں کی اتباع میں قبول فرمائے، اور روزے کی پوری قدر کرنے اور اس کے مطابق اپنی روح کو صاف ستھرا بنانے، اور تقویٰ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے‘‘۔ (آمین!)

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

حضرت مولانا محمد عباس شادؒ

[ایک رفیق، ایک مزاج، ایک خاموش چراغ]

حضرت مولانا عباس شادؒ سے میرا تعلق محض رسمی یا سطحی نوعیت کا نہیں تھا، بلکہ یہ رفاقت تین دہائیوں پر محیط ایک طویل دوستی، قربت اور فکری ہم سفری پر مشتمل تھی۔ حضرت مولاناؒ سے میری پہلی ملاقات 1993ء میں لاہور میں منعقد ہونے والے ایک زونل سیمینار میں ہوئی۔ یہ سیمینار یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور کے قریب' بیگم پورہ کے ایک اسکول میں منعقد کیا گیا تھا، جس کے مہمانِ خصوصی حضرت ڈاکٹر لیاقت علی شاہ مدظلہ تھے۔ دو روزہ سیمینار کے دوران گروپ ڈسکشن میں ان کی علمی پختگی، فکری وسعت اور متوازن مزاج کا بہ خوبی اندازہ ہوا۔ ان کی گفتگو میں سنجیدگی بھی تھی اور شائستگی بھی، جو سننے والے کو متأثر کر کے اپنا قائل کر لیتی تھی۔

3/ دسمبر 2025ء کو ان کے وصال کی خبر نے دل کو شدید صدمے اور گہری اُداسی میں مبتلا کر دیا۔ یہ محض ایک دوست کے بچھڑنے کا غم نہیں ہے، بلکہ ایک ایسے معتدل مزاج کے اُٹھ جانے کا احساس ہے، جو آج کے شور زدہ اور سطحی ماحول میں نایاب ہوتا جا رہا ہے۔ یوں محسوس ہوا جیسے سنجیدگی کی ایک خاموش آواز ہمیشہ کے لیے تھم گئی ہو اور فکر و دانش کی دنیا میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہو، جسے پُر کرنا آسان نہیں۔ ؎

یہ ٹھیک ہے ، نہیں مرتا کوئی جدائی میں
خدا کسی کو کسی سے مگر جدا نہ کرے

اس کے بعد متعدد بار مکی دارالکتب، اردو بازار، لاہور جا کر ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ 1998ء میں مولانا مرحوم کی تحریک پر کتاب ''قرآنی شعورِ انقلاب'' کے پہلے ایڈیشن کے مطالعے کے دوران مَیں نے پروف کی اَغلاط کی ایک فہرست مرتب کر کے انھیں ارسال کی۔ دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت مولاناؒ نے نہ صرف ان اغلاط کی درستی کی، بلکہ شکریے کے ساتھ اس کا ذکر بھی کیا۔ مولانا مرحوم کی یہ وسعتِ قلبی اور علمی دیانت میری زندگی میں کتابوں سے تعلق کے فروغ کا ایک اہم سبب بنی۔ بعد ازاں جب مَیں اور انیس احمد سجاد صاحب ''مکی دارالکتب ریڈر کلب'' کے رُکن بنے تو ہر مرحلے پر مولاناؒ کی حوصلہ افزائی اور تعاون شاملِ حال رہا، جو آج بھی ایک قیمتی یاد کی صورت دل میں محفوظ ہے۔

1999ء میں جب راقم اور جناب انیس احمد سجادؔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے ملاقات کے لیے ''عزیز پبلی کیشنز لاہور'' گئے تو وہاں یہ اطلاع ملی کہ مولانا عباس شادؒ آنتوں کی شدید بیماری کے باعث ہسپتال میں داخل ہیں۔ حضرت اقدسؒ سے اجازت لے کر ہم دونوں ان کی عیادت کے لیے ثریا عظیم ہسپتال لاہور پہنچے۔ بیماری کی اس تکلیف دہ کیفیت اور نیم بے ہوشی کے عالَم میں بھی مولاناؒ بار بار حضرت اقدسؒ کو یاد کر رہے تھے۔ علم سے ان کی گہری وابستگی تو پہلے ہی معروف تھی، مگر اس حالت میں اپنے شیخ سے اس والہانہ عقیدت، قلبی وابستگی اور محبت کے اظہار نے ان کی شخصیت کا ایسا روشن پہلو آشکار کیا، جس نے دل میں ان کے مقام کو اَور بلند کر دیا۔ ان کا حضرت اقدسؒ سے تعلق' اخلاص، وفاداری اور اعتماد پر قائم ایک ایسا رشتہ تھا، جو وقت اور حالات کی آزمائشوں میں بھی کمزور نہ پڑا اور تاعمر جاری رہا۔

مولاناؒ سے باہمی ملاقاتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ وہ ایک نظریاتی اور علمی شخصیت تھے۔ ان کی فکر اور خیالات' وقتی جذبات یا سطحی تأثرات کا نتیجہ نہیں رہے، بلکہ مطالعے، مشاہدے اور گہری سنجیدگی کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھے۔ وہ مسائل کو ردِّ عمل کے طور پر نہیں' بلکہ ذمہ داری کے احساس کے ساتھ دیکھتے تھے۔ اسی لیے ان کی گفتگو میں شور کم اور معنویت زیادہ ہوتی تھی۔ وہ جب بولتے تو بات دل اور ذہن دونوں میں اُترتی محسوس ہوتی تھی۔ ادارہ رحیمیہ کے مختلف ٹاسکس میں باہم مل کر کام کرنے کا موقع ملا۔ تحریر اور آڈیو ویڈیو ایڈیٹنگ کے کام میں بھی ان سے بیش تر اُمور میں مشاورت اور رہنمائی ملتی رہی۔ 2014ء میں جب حضرت اقدس مدظلہ کے حکم سے ماہنامہ ''رحیمیہ'' میں مضامین لکھنے کا موقع ملا تو اس وقت یہ پریشانی تھی کہ کیسے لکھا جائے؟! اس پریشانی کو حل کرنے اور شخصیات کی فہرست کی تیاری میں ان کی رہنمائی ملتی رہی۔

مولانا عباس شادؒ کا جانا اہلِ علم کے لیے بھی ایک اجتماعی نقصان ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو علم کو نمائش نہیں' بلکہ خدمت سمجھتے ہیں۔ ان کی زندگی اس بات کی گواہ تھی کہ اصل اثر خاموشی میں بھی پیدا کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ نام کے پیچھے بھاگے بغیر بھی کام کو زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ ورنہ وہ کتابوں اور پبلشنگ کی جس مارکیٹ میں موجود تھے، وہاں لوگ اپنا نام پیدا کرنے کے لیے بہت کچھ کر گزرتے ہیں۔

تین دہائیوں پر مشتمل اس رفاقت میں باتیں تو بہت سی ہیں جو اُن کی وفات کے وقت سے ذہن میں دستک دے رہی ہیں، جن کا احاطہ بہت مشکل ہے۔ ان سے میرا آخری رابطہ فون پر ہوا، جس میں انھوں نے کہا تھا کہ: ''آپ کا کال کر کے حال پوچھنا اچھا لگا، کئی دفعہ ہم دوستوں سے رابطہ نہیں کرتے اور ایک دوسرے کے حالات سے واقف نہیں ہوتے، دوست مرہم کی طرح ہوتے ہیں''۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے، مگر جب یہ کسی اپنے کو ہم سے جدا کرتی ہے تو دل اسے قبول کرنے میں وقت لیتا ہے۔ آج مولاناؒ کی کمی ہر جگہ محسوس ہوگی، تاہم یہی زندگی کا دستور ہے کہ آنے والا ایک دن ضرور جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد عباس شادؒ کی کامل مغفرت فرمائے ان کے درجات بلند کرے اور ہمیں یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم بھی اخلاص، سادگی اور فکری دیانت کے اس راستے سے کچھ روشنی حاصل کر سکیں، جس پر وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ آمین! ع

خاک میں بھی مل گیا موتی ، تو کیا موتی نہیں؟

www.rahimia.org

بقیہ: شذرات

اس کے باوجود کثیر قطبی دنیا کو مکمل طور پر منفی قرار دینا بھی درست نہیں۔ یہ ایک بڑے چیلنج کے ساتھ ساتھ ایک تاریخی امکان بھی رکھتی ہے، مگر یہ امکان اسی وقت حقیقت بن سکتا ہے جب اُمتِ مسلمہ اس تبدیلی کو شعوری طور پر سمجھے اور اپنی داخلی فکری و اَخلاقی تعمیر پر توجہ دے۔ محض سفارتی توازن، معاشی معاہدے یا وقتی سیاسی صف بندیاں اس خلا کو پُر نہیں کر سکتیں، جو فکری زوال نے پیدا کر دیا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فکر ہمیں بتاتی ہے کہ اصل تبدیلی بیرونی حالات کے مدوجزر سے نہیں، بلکہ داخلی نظام کو اجتماعِ انسانی کے ترقی یافتہ اُصولوں پر استوار کرنے سے جنم لیتی ہے۔ ملٹی پولر دنیا میں اصل امتحان طاقت کا نہیں، کردار کا ہے۔ اگر امتِ مسلمہ اس عہدِ امتحان میں کامیاب ہوگئی تو یہی بدلتی دنیا اس کے لیے نئی بیداری، نئی اُمید اور نئی ذمہ داری کا پیغام بن سکتی ہے، ورنہ یہ مرحلہ بھی تاریخ میں ایک اَور حسرت ناک باب بن کر رہ جائے گا۔ (مدیر)

بقیہ: افکار امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

مَیں کہتا ہوں کہ: جب اللہ کا نور اس بندے کے نفس کو اس کی اُس قوتِ عملیہ ـ جو اس کے تمام بدن میں پھیلی ہوئی ہے ـ کو ڈھانپ لیتا ہے تو اس نور کا ایک حصہ اُس کی تمام قوتوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس طرح اُن قوتوں میں ایسی برکات پیدا ہوتی ہیں، جو عام طور پر نہیں پائی جاتیں۔ پس اس وقت ''نسبت'' کے معانی میں سے ایک معنی کے اعتبار سے اس بندے کے افعال حق تبارک و تعالیٰ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے: ''سو تم نے (جنگِ بدر کے موقع پر) ان (مشرکین) کو نہیں مارا، لیکن اللہ نے ان کو مارا اور تُو (آپ ﷺ) نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی، لیکن اللہ نے پھینکی''۔ (8-الانفال: 17)

(5۔ بعض آداب کے ترک پر اللہ کی طرف سے تنبیہ)

ان احوال میں سے بعض آداب کے ترک پر اُس بندے کو اللہ کی طرف سے تنبیہ کی جاتی ہے اور وہ بندہ اُس ادب کی طرف رجوع کرنے کو دل سے قبول کر لیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ واقعہ ہوا کہ جب وہ اپنے مہمانوں پر غضب ناک ہوئے۔ پھر انھیں یہ علم ہوا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ تو انھوں نے نیکی کرنے کا حکم دیا اور اس طرح اُن کے کھانے میں برکت پیدا کر دی گئی۔

(امام بخاری نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنا ایک مہمان یا کئی مہمان لے کر گھر آئے۔ پھر آپؓ شام ہی سے نبی کریم ﷺ کے پاس چلے گئے۔ جب وہ لوٹ کر آئے تو میری والدہ نے کہا کہ: آج اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر آپ کہاں رہ گئے تھے؟ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ انھوں نے کہا کہ: ہم نے تو کھانا ان کے سامنے پیش کیا، لیکن انھوں نے انکار کیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ کو غصہ آیا اور انھوں نے (گھر والوں کی) سرزنش کی اور غضب اور دُکھ کا اظہار کیا اور قسم کھالی کہ مَیں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ: ''مَیں تو ڈر کے مارے چھپ گیا تو آپؓ نے پکارا کہ اے پاجی! کدھر ہے تو؟ ادھر آ!''۔ میری والدہ نے بھی قسم کھالی کہ اگر وہ کھانا نہیں کھائیں گے تو وہ بھی نہیں کھائیں گی۔ اس کے بعد مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ اگر حضرت ابوبکرؓ نہیں کھائیں گے تو وہ بھی نہیں کھائیں گے۔ آخر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ غصہ کرنا شیطانی کام تھا۔ پھر آپؓ نے کھانا منگوایا اور خود بھی مہمانوں کے ساتھ کھایا (اس کھانے میں یہ برکت ہوئی)۔ جب یہ لوگ ایک لقمہ اُٹھاتے تو نیچے سے کھانا اَور بھی بڑھ جاتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے (اپنی بیوی سے) کہا: ''اے بنی فراس کی بہن! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کھانا تو اَور بڑھ گیا! انھوں نے کہا کہ: ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک! اب یہ اس سے بھی زیادہ ہوگیا، جب ہم نے ابھی کھانا کھایا بھی نہیں تھا''۔ پھر سب نے کھایا اور اس میں سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ کہتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے بھی اس کھانے میں سے کھایا''۔ (صحیح بخاری، حدیث: 6141)

(حجۃ اللہ البالغہ، ابواب الاحسان، باب: 4، المقامات والاحوال)

بقیہ: اسلامی دور کی ناقابلِ فراموش شخصیات

سات ہفتوں کی مسلسل گولہ باری کے بعد فصیل میں ایک بڑا شگاف پڑ گیا۔ یہ دیکھ کر سلطان محمد کو آخری حملے کی کامیابی کا یقین ہوگیا۔ چناں چہ اس نے 24؍ مئی 1453ء کو قسطنطنیہ کے بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر وہ شہر کو ہمارے حوالے کر دے تو رعایا کی جان و مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، لیکن بادشاہ نے اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد سلطان نے اپنی فوج میں اعلان کر دیا کہ 29؍ مئی کو آخری حملہ ہوگا۔ (اس حملے کی تفصیلات اور قسطنطنیہ کی فتح کا منظر اگلے شمارے میں)

بقیہ: ملکی معیشت

چناں چہ 2024ء میں Dual Citizenship Act متعارف کروا کے 22 ممالک کے ساتھ دہری شہریت رکھے جانے کی منظوری دی گئی، جو پہلے صرف امریکا، برطانیہ، کینیڈا اور آسٹریلیا تک محدود تھی، لیکن بھائی لوگ چھپ چھپا کے دیگر ممالک کی دہری شہریت لے لیتے تھے۔ دوسری جانب 2025ء میں Economic Governance Reforms متعارف کروائی گئیں، جن کے تحت NAB، FBR اور FIA جیسی ایجنسیاں اب فارن سرمایہ کار کمپنیوں سے پوچھ گچھ نہیں کر سکیں گی۔ اور اگر ضرورت ہو تو وزیراعظم آفس کی منظوری لازم ہوگی۔ گویا مقامی سرمایہ کار اب شودر بن گیا۔ اگر وہ براہمن بننا چاہتا ہے تو اپنا سرمایہ باہر منتقل کرے اور وہاں کاروبار رجسٹر کروائے، بعدازاں پاکستان فارن سرمایہ کار کے طور پر آئے اور ناقابلِ دست اندازی Untouchable بن جائے۔ اس لیے ترکی کمپنی، چینی کمپنی، جرمن کمپنی اور امریکن کمپنی ـ جو ہمارے ملک میں سرمایہ لے کر آتی ہیں ـ عام طور پر ان کے پیچھے ہماری مقتدرہ ہمارے ہی پیسے کے ساتھ ہی موجود ہوتی ہے۔

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

خوش خبری ......

قیامِ رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ/2026ء

اس مہینے سے رحمتوں اور برکتوں والا ماہِ رمضان المبارک شروع ہو رہا ہے۔ ہمیشہ سے اکابر اولیاء اللہ اور علمائے ربانیین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اس ماہِ مبارک میں پوری یکسوئی کے ساتھ توجہ الی اللہ کے لیے کسی ایک ہی جگہ قیام فرما ہوتے ہیں اور اس کو صفائے باطن کے لیے بڑا اِکسیر سمجھتے ہیں۔ مشائخ رائے پور اور ان سے تعلق رکھنے والے احباب کا گزشتہ تقریباً ڈیڑھ صدی سے یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ وہ اس ماہِ مبارک میں رجوع اِلی اللہ اور سالکین و طالبین کی تربیت کے لیے اجتماعی طور پر کسی ایک جگہ قیام فرما ہوتے ہیں اور رمضان المبارک کے قیمتی اوقات میں اپنی روحانی تربیت کے حوالے سے ذکر و فکر، تزکیہ عمل اور تصفیہ باطن کا نہایت درجہ اہتمام کرتے رہے ہیں۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ سمیت تمام مشائخ رائے پور اپنی تمام عمر اس معمول پر مسلسل عمل پیرا رہے۔ انھیں حضراتِ مشائخ کے معمول کے مطابق ان کے جانشین اور موجودہ مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

ماہِ رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ (19/فروری تا 21/مارچ 2026ء)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں قیام فرما ہوں گے۔ ان کے ساتھ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے خلفائے کرام؛ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن، حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی، حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر، حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن مدظلہم العالی اور دیگر سینئر حضرات بھی قیام رمضان المبارک کے معمولات میں شریک ہوں گے اور احباب کی رہنمائی کریں گے۔

ملک بھر سے تعلق رکھنے والے احباب اپنی اخلاقی و روحانی اور علمی و شعوری ترقی کے لیے اس ماہِ مبارک کے دوران مشائخ رائے پور کی معیت و صحبت میں روحانی اجتماع کے تربیتی معمولات اور مجالس علم و عرفان میں استفادے کے ذریعے رضائے الٰہی اور دُنیوی اور اُخروی کامیابی کے حصول کے لیے کوشاں ہوں گے۔

ادارہ رحیمیہ کے ریجنل مراکز میں معمولاتِ ماہِ رمضان: گزشتہ سالوں کی طرح حسبِ معمول اس سال بھی ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے تمام ریجنل کیمپسز؛ کراچی، سکھر، ملتان، صادق آباد، راولپنڈی، پشاور اور کوئٹہ میں بھی ماہِ رمضان المبارک کے معمولات حسبِ معمول جاری رہیں گے۔ خاص طور پر ملتان اور پشاور کیمپس میں حضرت مولانا مفتی سعید الرحمٰن مدظلہ اور حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن مدظلہ 21/رمضان المبارک تک قیام فرما رہیں گے۔

نوٹ: ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں قیام رمضان المبارک کے حوالے سے مناسب انتظامی و رہائشی ہدایات سے بروقت آگاہ کر دیا جائے گا۔

احباب دفتر انتظامیہ سے رابطے میں رہیں: **رابطہ نمبر :** 0321-6455369

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال خواتین اور بیمار حضرات موسم گرما کے روزوں کی قضا موسم سرما میں کرتے ہیں۔ کیوں کہ وقت بھی کم ہوتا ہے اور سہولت بھی ہوتی ہے۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اس سے روزے کے ثواب میں کمی تو نہیں آتی؟ محمد جمیل، بہاولنگر

جواب موسم گرما کے روزوں کی قضا موسم سرما میں کی جا سکتی ہے۔ اس کے ثواب میں کسی قسم کی کمی تو نہیں ہوتی۔ کیوں کہ قرآن پاک میں معذوروں کو چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا میں مطلقاً گنتی پورا کرنے کا کہا گیا ہے۔ موسم اور وقت دونوں میں اختیار دیا ہے۔

سوال کتنے فاصلے پر انسان مسافر ہو جاتا ہے؟ سفر کے دوران نماز کیسے ادا کی جائے؟ اگر ٹرین میں سفر کر رہے ہوں تو نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اگر 77 کلومیٹر سے زیادہ جانے کا ارادہ ہو اور پندرہ دن سے کم قیام کرنا ہو تو ایسا شخص شرعی مسافر کہلاتا ہے۔ شرعی مسافر نمازِ ظہر، نمازِ عصر اور نمازِ عشا کی فرض نمازیں بجائے چار رکعت کے، دو دو رکعت پڑھتا رہے۔ نمازِ فجر، نمازِ مغرب اور نمازِ وِتر اپنے حال پر رہتی ہیں (مکمل پڑھنی چاہئیں)۔ سنتوں میں قصر نہیں ہوتی، لہٰذا جب کسی جگہ قیام ہو جائے اور سنتیں ادا کرنے کی سہولت ہو تو نمازوں کی تمام سنتیں ادا کرنی چاہئیں۔ البتہ دورانِ سفر فجر کی سنتوں کی ادائیگی کے علاوہ نمازوں میں فرائض اور واجب نماز پر اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ ٹرین وغیرہ نمازوں کی ادائیگی کے لیے استقبالِ قبلہ کی شرط و رکوع وغیرہ فرائض کا پورا کرنا ضروری ہے۔

”رمضانُ المبارَک؛

روزہ کے اَسرار و فضائل، اَحکام و مسائل، مع خطباتِ عید الفطر“

از حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ

شائع ہو چکا ہے۔ اس اشاعت میں حضرت آزاد رائے پوری مدظلہ نے اس پر نظرِ ثانی کی ہے اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و اَفکار کی روشنی میں مفید اضافہ جات بھی کیے ہیں۔ یہ پمفلٹ ادارہ کی بک شاپ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

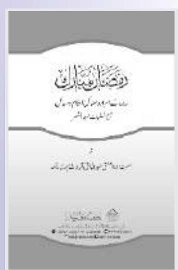

- ٹوٹل صفحات: 64
- رعایتی قیمت: 100 روپے
- بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے رابطہ کیجیے:

راؤ عتیق الرحمٰن خاں
0332-7203090

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ”رحیمیہ“ رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔